

قومیت اور وطنیت کی تحریک کا فروغ

۱۴

اس کا اسلامی حل

(۲۱)

جناب پروفیسر سید محمد سلیم صاحب

انسان کی حقیقت | قومیت اور وطنیت کے مسئلہ کا حل اسلام کے پاس ہے۔ یہ حل اس بات کے جاننے پر منحصر ہے کہ دنیا میں انسان کی حیثیت کیا ہے؟ اور انسانی زندگی کی اسکیم کیا ہے؟ سارا اختلاف اسی میں ہے۔ ساری جڑائیوں کی جڑ یہی اختلاف ہے۔ انسان کیا ہے؟ کیا مشین اپنا مقصد اور غرض و غایت بیان کر سکتی ہے؟ ہرگز نہیں؟ اس لیے انسان کی حقیقت اور انسان کا مقصد بیان کرنے کی تمام کوششیں اور کوششیں اندھیرے میں ٹاماک ٹوٹے مارنے کے برابر ہے۔ قدیم فلسفی ہوں یا جدیدان کی ایسی ساری کوششیں غلط ہیں۔ حقیقت سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں مشین کی حقیقت کو مشین کا کاریگر بیان کر سکتا ہے۔ انسان کی حقیقت کو انسان کا خالق اللہ تعالیٰ بیان کر سکتا ہے۔ یہ علم اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ انسانوں کو بھیجا ہے۔

قرآن مجید بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔ ساری مخلوقات میں انسان کو اشرف اور اعلیٰ مرتبہ دیا ہے۔ اس کو بہترین صلاحیتوں اور استعدادوں سے نوازا ہے۔ ہر قسم کی اشیاء اور وسائل اس کے دستِ تصرف میں دے دیئے ہیں۔ استعمال کی صلاحیت اور تسخیر کرنے کی قوت انسان کے اندر ودیعت کر دی

ہے۔ ان انعامات اور صلاحیتوں کی آزمائش مقصود ہے۔ انسان دنیا میں ایک امتحان گاہ میں ہے۔ بخیر کارکردگی میں اس کا امتحان لیا جاتا ہے۔ مرنے کے بعد آخرت، موجودہ زندگی کا تسلسل ہے۔ وہاں امتحان کا نتیجہ ظاہر کیا جائے گا۔ جس کے بعد مزید انعامات و اکرامات یا تادیب و عذاب۔ یہ طبعی خلافت ہے۔ اس میں کافر اور مومن، کالے اور گورے سب شریک ہیں۔ جو بھی کوئی انسان ہے وہ اللہ کا خلیفہ ہے۔ وہ اسباب و وسائل استعمال کر رہا ہے۔ وہ امتحان سے رہا ہے۔ خواہ اس کو شعور ہو یا نہ ہو۔

خلافت کی دوسری قسم ہدایتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے طبعی اور عقلی رہنمائی سے زائد انبیاء کرام کے ذریعہ نوری انسانی کو ہدایات بھیجیں۔ اعمال خیر اور اعمال شر کا فرق بتایا۔ پاکیزہ زندگی اور خراب زندگی کا فرق بتایا۔ کامیابی کے اعمال اور ناکامی کے اعمال بتائے۔ اب جو لوگ انبیاء کی تعلیمات پر ایمان لائے۔ نیک اور صالح زندگی اختیار کی۔ برائی اور بد اعمالی سے اجتناب کیا۔ وہ آخرت میں کامیاب اور باثرا قرار دیئے جائیں گے۔ اس لیے جو لوگ انبیاء کی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں وہ سچے مومن اور سچے خلیفہ ہیں۔ انسان کسی نسل، کسی قوم کا ہو، کوئی بھی زبان بولتا ہو، انبیاء کی تعلیمات پر ایمان لا کر سچے مومنوں اور سچے خلفاء کے زمرہ میں شامل ہو سکتا ہے۔ خارج کی کوئی شے اہمیت نہیں رکھتی، داخل میں ایمان و اعمال کی اصل اہمیت ہے۔

زبان، نسل اور رنگ کے اختلافات کو اسلام بطور امر واقعہ کے تسلیم کرتا ہے اور ان کو بطور شناخت استعمال کرتا ہے۔

”اے انسانو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔“ (حجرات - ۱۱۳)

آخری حج کے موقع پر ہزاروں صحابہ کے مجمع میں آپ نے اعلان کیا۔

”نہ کسی عرب کو غیر عرب پر کوئی فوقیت حاصل ہے۔ اور نہ کسی غیر عرب

کو عرب پر فوقیت حاصل ہے۔ نہ کالے کو گورے پر اور نہ گورے کو کالے پر۔ ہاں افضلیت کا معیار تقویٰ ہے۔ اے انسانو! تمہارا رب ایک ہے۔ تمہارا باپ ایک ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔

قوموں اور قبیلوں کا مقصد اسلام کے نزدیک صرف تعارف ہے، شناخت ہے۔ شناخت کے لیے ہم لال گائے اور کالی گائے کہتے ہیں، مگر گائے کی قدر و قیمت دودھ سے ہے۔ شناخت کے لیے ہم لال کوٹھی اور گمٹی والا مکان کہتے ہیں۔ مگر مکان کی قدر و قیمت اس کی مکانیت، موزونیت، آسائش، ساخت وغیرہ بہت سے امور سے ہوتی ہے۔ اسی طرح انسان کی قدر و قیمت اعمال سے ہے، پرہیزگاری سے ہے۔ اپنی قوم اور اپنے قبیلہ سے محبت کرنا بھی منع نہیں ہے۔ محبت کرنا فطری تقاضا ہے۔ ”ایک صحابیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: عصبیت کیا چیز ہے؟ کیا آدمی کا اپنی قوم سے محبت کرنا عصبیت ہے؟ اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”نہیں، عصبیت یہ ہے کہ آدمی ظلم میں اپنی قوم کا ساتھ دے۔“ (ابن ماجہ)

جس بات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصبیت قرار دے رہے ہیں وہ جذبہ ہے جس کے تحت ایک آدمی بول پڑتا ہے۔

”میری قوم حق پر ہو یا ناحق پر ہو (MY COUNTRY RIGHT OR WRONG)۔ اس عصبیت کی جو ناحق کو بھی حق بنا دیتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذمت فرمائی ہے۔

”جس شخص نے عصبیت پر جان دی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔
جس شخص نے عصبیت کی دعوت دی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔
جس شخص نے عصبیت پر جنگ لڑی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“
(ابن ماجہ)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جذبہ کی تعریف کی ہے جو ناحق سے جنگ پر ابھارے
خواہ ناحق پر بھائی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معیار سی اور مثالی دور میں صرف
ایمان اور تقویٰ معیار تھے۔ اسی بنا پر حبش کے بلاٹ، روم کے صہیب اور فارس کے سلمان
کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تقرب میں جگہ ملی۔ اور حقیقی چچا ابو لہب ہاشمی قرشی
ایمان نہ لانے کے سبب مردور قرار پایا۔ قرآن مجید میں اگر کسی مخالف کا نام لے کر مذمت کی
گئی ہے تو وہ ابو لہب ہے۔ اس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ کلمہ کارشتہ، اور نظریاتی رشتہ
خونی رشتہ سے افضل ہے۔ اس حقیقت کا عملی مظاہرہ اسلام کی پہلی جنگ بدر میں ہوا۔
حضرت حذیفہ اپنے والد کے مقابلہ پر، حضرت ابو بکرؓ اپنے بیٹے کے مقابلہ پر اور حضرت
عمرؓ اپنے ماموں زاد بھائی کے خلاف محاذ آرا ہو گئے۔ گرفتار شدگان میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس، داماد عمر بن عاص، چچا زاد بھائی عقیل بن
ابی طالب مسجد میں کستونوں سے بندھے ہوئے تھے۔ نظریاتی رشتہ نے خونی رشتہ کو
ختم کر دیا تھا۔

شریعت الہی اور قوم پرستی کا فرق

۱۔ وسیع تعاون | شریعت الہی کا مقصد ہمیشہ یہ رہا ہے کہ انسانوں کے درمیان اخلاقی اور
روحانی رشتے قائم کر کے انہیں وسیع پیمانہ پر ایک دوسرے کا معاون بنائے، مگر نیشنلزم
نسلی اور وطنی امتیاز کی قینچی لے کر ان رشتوں کو کاٹ دیتا ہے اور قومی منافرت پیدا کر کے
انسانوں کو ایک دوسرے کا معاون بنانے کے بجائے مزاحم اور دشمن بنا دیتا ہے۔

۲۔ آزادانہ تعلقات | شریعت الہی چاہتی ہے کہ انسان اور انسان کے درمیان آزادانہ ربط
کے زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا کئے جائیں کیونکہ ان ہی پر انسانی تہذیب و تمدن کی ترقی کا
انحصار ہے۔

مگر قوم پرستی ان روابط کی راہ میں ہر قسم کی رکاوٹیں پیدا کرتی ہے۔ جتنی کہ ایک قوم کے
حلقہ اثر میں دوسری قوم والوں کے لیے سانس لینا تک مشکل کر دیتی ہے۔ قوم پرستی کے

ماحول میں کوئی طارق الارض باللہ والہملاک باللہ کا نعرہ نہیں لگا سکتا۔

۳۔ قابلیتوں کا نشوونما | شریعتِ الہی کا منشا یہ ہے کہ ہر فرد، ہر قوم اور ہر نسل کو اپنی طبعی خصوصیات اور پیداؤشی قابلیتوں کے نشوونما کا پورا موقع ملے تاکہ وہ مجموعی حیثیت سے انسانیت کی ترقی میں اپنا حصہ ادا کر سکے۔

مگر قوم پرستی ہر قوم اور ہر نسل میں یہ داعیہ پیدا کرتی ہے کہ وہ طاقت حاصل کر کے دوسری قوموں اور نسلوں کو ادنیٰ، ذلیل اور بے قدر و قیمت قرار دے اور انہیں غلام بنا کر ان کی پیداؤشی قابلیتوں کو کام کرنے کا موقع ہی نہ دے، بلکہ ان سے زندگی کا حق ہی سلب کر کے چھوڑے۔

۴۔ اخلاق کی اہمیت | شریعتِ الہی کا اساسی اصول یہ ہے کہ طاقت کے بجائے اخلاق پر انسانی حقوق کی بنیاد قائم ہو۔ حتیٰ کہ ایک طاقتور شخص یا گروہ بھی کمزور شخص یا گروہ کے حقوق ادا کرے جبکہ قانونِ اخلاق اس کی تائید میں ہو۔

مگر قوم پرستی اس کے مقابلہ میں یہ اصول قائم کرتی ہے کہ طاقت ہی حق ہے اور کمزور کا کوئی حق نہیں۔ اس لیے کہ وہ اسے حاصل کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

۵۔ جائز قوم پروری | شریعتِ الہی جس طرح اخلاقی حدود کے اندر نفس پروری کی مخالفت نہیں کرتی اسی طرح وہ قوم پروری کی بھی مخالفت نہیں کرتی ہے۔ درحقیقت وہ اس کی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ ایک قوم کے اپنی اپنی جگہ ترقی کرنے ہی پر مجموعی حیثیت سے انسانیت کی ترقی کا دارومدار ہے۔ لیکن شریعتِ الہی ایسی قوم پروری چاہتی ہے جو انسانیتِ عامہ (HUMANITY AT LARGE) کی طرف ہمدردی، معاونت اور خیر خواہی لیے

ہوئے بڑھے اور وہ خدمتِ انجام دے جو سمندر کے لیے زمین کے دریا انجام دیتے ہیں۔ قوم پرستی اس کے برعکس انسان کے اندر یہ ذہنیت پیدا کرتی ہے کہ وہ اپنی تمام قوتیں اور قابلیتیں صرف اپنی قوم کی بڑائی کے لیے مخصوص کر لے۔ اور انسانیت کا نہ صرف یہ کہ مددگار نہ ہو، بلکہ اپنی قوم کے مقام پر انسانیت کے عمومی مفاد کی قربانی چڑھا دے۔ انفرادی زندگی میں جو حیثیت "مخرد غرضی" کی ہے، اجتماعی زندگی میں وہ حیثیت قوم پرستی

کی ہے۔ ایک قوم پرست فطرۃً تنگ دل ہوتا ہے۔ وہ دنیا کی ساری خوبیاں صرف اپنی قوم یا اپنی نسل میں ہی دیکھتا ہے۔

۶۰۔ نبوتِ الہی | قوم پرستی اور شریعت میں کھٹلا ہوا تصادم ایک اور صورت سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کی طرف سے جو نبی بھی آئے گا۔ وہ ایک قوم میں اور ایک سرزمین میں آئے گا۔ اسی طرح جو کتاب اس نبی کو دی جائے گی وہ بھی لامحالہ اسی ملک کی زبان میں ہوگی جس میں وہ مبعوث ہوا ہے۔ پھر اس نبوت کے مشن سے تعلق رکھنے والے جن جن مقامات کو عزت و احترام اور تقدیس کی حیثیت حاصل ہوگی وہ بھی زیادہ تر اسی ملک میں واقع ہوں گے۔ مگر ان سب محدودیتوں کے باوجود وہ صداقت اور تعلیم ہدایت جو ایک نبی خدا کی طرف سے لے کر آتا ہے، کسی ملک اور قوم کے لیے محدود نہیں ہوتی، بلکہ تمام انسانوں کے لیے عام ہوتی ہے۔ پوری نوعِ انسانی کو اس نبی پر اور اس کی لائی ہوئی صداقت پر ایمان لانے کا حکم دیا جاتا ہے اور اگر نبی کی دعوت عامہ ہو، عالم گیر ہو، جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ہے تو قدرتی بات ہے کہ اس کی لائی ہوئی کتاب کو بین الاقوامی حیثیت حاصل ہوگی۔ اس کی زبان کا تہذیبی اثر بین الاقوامی ہوگا۔ اس کے مقدس مقامات ایک ملک میں ہونے کے باوجود بین الاقوامی مرکزیت حاصل کریں گے۔ وہ نبی اور اس کے حواری اور اس دعوت میں نمایاں حصہ لینے والے ابتدائی لوگ بھی ایک قوم سے تعلق رکھنے کے باوجود تمام قوموں کے پیرو قرار پائیں گے۔

لیکن یہ سب کچھ قوم پرستوں کے مذاق، افتادِ طبع، جذبات اور نظریات کے خلاف ہے۔ قوم پرست کی غیرتِ قریبی اس کو کسی طرح گوارا نہیں کر سکتی کہ وہ ایسے لوگوں کو ہیر و بناٹے جو اس کی قوم کے نہیں ہیں۔ ایسے مقام کی مرکزیت اور تقدیس و احترام کو قبول کرے جو اس کے اپنے وطن کے نہیں ہیں۔ ایسی زبان کا تہذیبی اثر قبول کرے جو اس کی اپنی زبان نہیں ہے۔ ان روایات سے روحانی فیض (INSPIRATION) حاصل کرے جو اس سے آئی ہوں وہ ان سب چیزوں کو نہ صرف اجنبی قرار دے گا، بلکہ انہیں اس نفرت اور ناگواری کی نگاہ سے دیکھے گا جس سے بیرونی حملہ آوروں کی ہر چیز دیکھی جاتی ہے۔ اور تمام خارجی اثرات کو اپنی قوم کی زندگی سے نکال دینے کی کوشش کرے گا۔ (مسئلہ قومیت - ۱۳۸-۱۳۰)

اسلامی معاشرہ | وحی الہی کی ہدایات کی روشنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں جو معاشرہ اور ریاست قائم کی تھی وہ نہ الا معاشرہ اور نہ الی ریاست تھی۔ وہ معاشرہ ہم اقوام تھا۔ (MULTI - NATIONAL)۔ وہ معاشرہ ہم نسل تھا۔ (MULTI RACIAL) اور وہ معاشرہ ہم لسان تھا (MULTI LEGUAL) وہاں انسان کی بحیثیت انسان قدر قیمت تھی۔ رنگ و نسل و وطن کے عوارضات کی چنداں اہمیت نہیں تھی۔ سب باہم شیر و شکر تھے۔ اس معاشرہ میں جو امن و سکون، راحت و آرام اور آزادی حاصل تھی، شرق و غرب کے کسی معاشرہ میں میسر نہ آسکی۔ یہ معاشرہ انسانیت کے لیے نعمت تھا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت تھا۔ اس معاشرہ کی اہم خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ اسلام نے ہر شخص کے لیے عقیدہ اور مذہب کی آزادی کا حق تسلیم کیا۔ قرآن مجید نے واضح اعلان کیا ہے، ”تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے“۔ ایسا کوئی اعلان کسی مذہبی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ یورپ میں آزادی مذہب کا اعلان اس کے ایک ہزار سال بعد ہوا ہے۔ مغربی استعمار کے گھناؤنے پروپیگنڈے کے باوجود یہ بات آج تک ثابت نہیں کی جاسکی کہ اسلام کی اشاعت تلوار کے زور پر ہوتی ہے۔ جب ساری دنیا میں مذہبی اقلیتوں کو ستایا جا رہا تھا تو وہ اسلامی ممالک میں امن و چین کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ یہودی، عیسائی اور ہندو۔ مسلمان مزاج کے اعتبار سے فراخ دل ہوتا ہے۔

۲۔ اسلام نے ملت کے نظریہ کے تحت مختلف اقوام کے تہذیبی حقوق کو بھی فراخ دلی کے ساتھ تسلیم کیا۔ اسلامی حکومتوں میں اقلیتوں کا مذہب، ان کی زبان اور ان کی ثقافت بھی محفوظ نہ تھی۔ یہودی مذہب کے رتی اور حکماء وہ ہیں جو مسلمان حکومتوں میں گزرے ہیں ہندوستان میں بنگالی ادب اور دوسرے علاقائی ادب کی سرپرستی مسلمان حکمرانوں کی ہے۔ جدید دور کی قوم پرست حکومتوں کا تعلق مذہب سے تو کوئی خاص نہیں ہے، اس لیے مذہبی آزادی کا تو وہ برملا اعلان کرتے ہیں۔ لیکن تہذیبی اور ثقافتی حق دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ سات سو سال تک جس ملک میں پنڈت اپنے شاستروں کے مطابق ہندوؤں کے فیصلے کرتے رہے اور مسلمان حکمران ان فیصلوں کو نافی کرتے رہے۔ اس ملک میں مسلمانوں

کو شخصی قانون کا تحفظ بھی حاصل نہیں ہے۔ یہی حال دوسرے ملکوں کا ہے۔

۳۔ بنیادی انسانی حقوق میں اسلام مومنین و کافر کے درمیان تمیز نہیں کرتا ہے، جو حقوق مسلمانوں کو حاصل ہیں وہ تمام اقلیتوں کو بھی حاصل ہیں۔ ان کی جان، عزت، آبرو اور مال کی پوری طرح حفاظت کی ذمہ داری مسلمان حکومت پر ہے۔ تاریخ میں بے لاگ انصاف کے واقعات بھرے پڑے ہیں۔ شیر شاہ کا بیٹا مہمئی پر سوار جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک ہندو عورت معمولی پردے کی اوٹ میں نہا رہی تھی۔ شاہزادے نے اس پر پان کا بیڑا پھینک دیا۔ ہندو نے دربار میں آکر بادشاہ سے شکایت کی۔ شیر شاہ نے فیصلہ کیا کہ شاہزادے کی بیوی بھی اسی طرح نہائے، وہاں سے وہ ہندو مہمئی پر گزرے اور پان کا بیڑا اُس پر پھینکے تاکہ شاہزادے کو اس ذہنی اذیت کا اندازہ ہو سکے۔ یہ بے لاگ عدل ہے۔ اس طرح غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت کی جاتی تھی۔

۴۔ معاملات کا فیصلہ بے لاگ، عدل و انصاف کے ساتھ کرنے کا اسلام لوگوں کو حکم دیتا ہے۔ اس معاملہ میں وہ ہر قسم کی جانب داری سے منع کرتا ہے۔

”لے لوگو، جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی کے زیادہ قریب ہے۔“

(مائتہ ۸)

اسلامی ریاست کے اس بیان کو سن کر بعض لوگ یہاں ایک چلتا ہوا جملہ کہہ دیتے ہیں۔ جناب، یہ ایک مختصر سا دور تھا جو گزر گیا۔ اب اس کا ذکر کرنے سے کیا فائدہ۔ میں ایسے تمام لوگوں سے دریافت کرتا ہوں کہ معیاری جمہوری نظام کس ملک میں قائم ہوا؟ کس دور میں قائم ہوا؟ پھر آپ جمہوریت کا کیا ذکر کرتے ہیں۔ میں ایسے تمام لوگوں سے دریافت کرتا ہوں کہ معیاری اشتراکی نظام کس ملک میں قائم ہوا؟ اور کب قائم ہوا؟ پھر آپ اس کے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں۔ اہل مغرب ایک مثالی نظام (IDEAL) پیش کرتے ہیں۔ آج تک اس کا معیاری نمونہ صفحہ ہستی پر قائم نہیں ہو سکا۔ مگر پھر بھی ایک دنیا

اس کی متوالی ہے۔ اسلام بھی ایک مثالی نظام پیش کرتا ہے جس کا عملی نمونہ اہل دنیا نے
بچشمِ سرِ دیکھ لیا ہے۔ اگر ہم اس کی طرف دعوت دیتے ہیں تو آپ فرطِ تہ ہیں کہ اس کی طرف
کیوں دعوت دیتے ہو؟

خرد کو جنوں کہہ دیا، جنوں کو خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

حقیقت یہ ہے کہ جس معاشرہ میں لوگوں کو حقوق حاصل ہوں، عدل و انصاف حاصل ہو،
ظلم و زیادتی نہ ہو، دلوں نہ قوم و نسل کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ اکثریت و اقلیت کا،
دلوں اقلیتی گروہ کے افراد — مثلاً امام حسن بصریؒ، امام ابو حنیفہؒ، وہ اعزاز و اکرام
حاصل کرتے ہیں کہ اکثریت کے بہت سے افراد کی دلوں تک رسائی نہیں۔
فکر و عمل کی جس وحدت کا اسلام داعی ہے اس کا مظاہرہ پانچ وقت کی نماز میں مسجد
میں ہوتا ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و یار
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

اس وحدت کا بین الاقوامی عظیم الشان مظاہرہ حج کے موقع پر ہوتا ہے۔ جہاں وحدت
لباس، احرام — اور وحدتِ لسان، لہجہ، لاشریک لک لہجہ سے شراب
ایک مرکز توجید کا طواف کرتے ہوتے ہیں۔ جہاں تفریق و امتیازات کے تمام عوامل زائل
ہو جاتے ہیں۔ اخوتِ اسلامی کا فقید المثال مظاہرہ ان شاء اللہ اب تک جاری رہے گا۔

دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر ہمارا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا